The Retrieval of Cultural Elements in Ghafer Shahzad's Short Stories

غافر شہزاد کے افسانوں میں تہذیبی عناصر کی بازیافت

Idrees Ahmed *[1]
Ph.D Scholar, Department of Urdu, MY University, Islamabad.
Dr.Syed Muhammad Murtaza Hassan *[2]
Assistant Professor, Department of Urdu, Government Ambala Muslim Graduate College, Sargodha.

[1]☆ **ادریس احمد**

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، مائی یونیورسٹی، اسلام آباد

[2]☆ **ڈاکٹر سید محمد مرتضیٰ حسن**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ انبالہ مسلم گریجویٹ کالج، سرگودھا

Correspondance:idreesmalik558@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 28-04-2026
Accepted:27-06-2026
Online:28-06-2026

Copyright:© 2026 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Ghafer Shahzad is a prominent contemporary short story writer. His fiction presents a broad reflection of civilization and culture. By employing his intellectual insight and creative imagination, he incorporates historical and cultural events into his narratives with remarkable depth. He excels in portraying past civilizations and providing valuable knowledge about their cultural heritage. Cultural elements occupy a central place in his short stories. His stories reflect Pakistani society, particularly the culture of Punjab, its religious traditions, family system, and human values. For Ghafer Shahzad, culture is not confined to customs and traditions alone; rather, it encompasses ways of thinking, moral principles, and patterns of human behavior. His fiction offers a profound exploration of Pakistani civilization, culture, and social values. By maintaining a balance between tradition and modernity, he emphasizes the importance of

preserving human relationships, ethical values, and cultural identity. Consequently, his short stories are not merely literary creations but also serve as significant cultural documents.

KEYWORDS: Ghafer Shahzad, Short Stories, Pakistani Culture, Punjabi Culture, Civilization, Social Values, Religious Traditions, Tradition and Modernity.

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ "ھذب" ہے۔ جس کا مطلب ہے صاف کرنا اور درست کرنا۔ اردو زبان میں بھی تہذیب کے معانی پاک کرنا، شائستہ بنانا ، اصلاح کرنا اور خوش اخلاقی وغیرہ کے لیے جاتے ہیں۔ لیکن اصطلاحی لحاظ سے تہذیب سے مراد اصول وضوابط کے مطابق انسانی زندگی کے گزر بسر کرنے کا طور طریقہ ہے۔ تہذیب ایک اجتماعی طرز زندگی کا نام ہے۔ جس میں لوگوں کے رہن سہن، خیالات، نظریات، سیاسی نظام، عقائد اور رسم ورواج وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ تہذیب میں معاشرے کی تخلیق کردہ جمالیاتی تخلیقات بھی شامل ہیں۔ یعنی شاعری، مصوری، فن تعمیر اور خطاطی وغیرہ جنہیں فنون لطیفہ کہتے ہیں۔ سید عابد حسین تہذیب کے مفہوم کے متعلق لکھتے ہیں:

> "اس کے سب سے زیادہ مشہور معنی ہیں پاکیزہ و پسندیدہ اخلاق وآداب۔ جس شخص کی طبیعت، چال ڈھال، گفتگو اور برتاؤ میں ایک خاص موزونیت اور دلکشی ہو وہ مہذب کہلاتا ہے۔ ان مادی چیزوں پر بھی تہذیب کا اطلاق ہوتا ہے جو انسان کے حسن ذوق اور حسن عمل سے وجود میں آئی ہیں۔ مثلاً ہم مغلوں کی عہد کی عمارتوں ، باغوں اور تصویروں کو مغلیہ تہذیب کے آثار کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی قوم کے اجتماعی ارادات اور اصول قوانین بھی تہذیب کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں۔ جیسے قدیم یونانیوں کا نظام ریاست اور نظام تعلیم یا قدیم رومیوں کا نظام قانون ان قوموں کی تہذیب کے اہم عناصر سمجھے جاتے ہیں۔ بعض اوقات تہذیب کا لفظ اس سے زیادہ مجرد اور وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی زندگی کا نصب العین جو کسی قوم کے سامنے ہو، ان معیاروں کا ہم آہنگ تصور جن پر وہ اپنی اور دوسروں کی زندگی پرکھتی ہے۔"(1)

غافر شہزاد کا تخلیقی سفر افسانہ نگاری سے شروع ہوتا ہے۔انھوں نے چار افسانوی مجموعے تحریر کیے ہیں۔سب سے پہلا افسانوی مجموعہ "تصویریں سانس لیتی ہیں" کے نام سے 1990ء میں تحریر کیا۔دیگر مجموعوں میں "خوابوں کی گرہ میں پڑی لڑکی"، "شہر ناتمام" اور "کارساز" شامل ہیں۔وہ اپنے افسانوں میں قدیم مسلم عہد سے لے کر مابعد نو آبادیاتی تک کی تہذیب و ثقافت کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ان کے ابتدائی افسانوں میں فرد کا داخلی بحران، جذباتی کشمکش اور بے روز گاری جیسے موضوعات ملتے ہیں۔ان کے افسانوں میں جدید معاشرت کا انسان اپنی معاشی، سیاسی اور معاشرتی پیچیدگیوں کے ساتھ نظر آتا ہے۔ان کے افسانوں میں موضوعات کا بھرپور تنوع ہے۔وہ اپنے افسانوں میں نئے نئے تجربات کے قائل ہیں۔انھوں نے اپنے افسانوں میں متوسط طبقے کے افراد کی تہذیب کو دلکش انداز میں موضوع بنایا ہے۔وہ عام زندگی کی طرح افسانوں میں بھی دوٹوک بات کرنے کے عادی ہیں۔ان کے انداز میں انفرادیت اور ذاتی مشاہدے کا رنگ نمایاں ہے۔افسانوں میں ان کا فنی شعور نکھر کر سامنے آتا ہے۔ان کے کردار ہمارے سماج کے عام افراد ہیں۔غافر شہزاد کی افسانوی تکنیک پر تبصرہ کرتے ہوئے مسعود اشعر رقمطراز ہیں:

> "غافر شہزاد کے افسانے ایک ایسے نوجوان کا حسیاتی گوشوارہ بناتے ہیں۔جو ہر شے اور ہر واقعہ کو جذبات کی کسوٹی پر کس کر دیکھتا ہے۔ان کے افسانوں میں اپنے آپ کو، اپنے ماحول کو اور اپنے عہد کو پہچاننے اور سمجھنے کی کوشش ملتی ہے۔یہ کوشش اشاراتی اور ایمائی انداز میں بھی ہے اور سیدھے سادے بیانیہ اسلوب میں بھی۔ان کا غوروفکر کہیں کہیں احتجاج پر بھی اکساتا ہے لیکن یہ احتجاج ایک ہلکی سی دردمندی سے آگے نہیں بڑھتا اور یہ ان کی خوبی ہے۔"(2)

غافر شہزاد کے افسانوی مجموعے "تصویریں سانس لیتی ہیں" میں شامل افسانہ "طالب توجہ بات" میں انسانی رویوں اور معاشرتی تعلقات کے تہذیبی پہلو واضح ہیں۔کردار کے گرد موجود ماحول اور اس کی حرکات و سکنات یہ دکھاتے ہیں کہ انسانی تعلقات، اخلاقی شعور اور رویے تہذیب کے بنیادی عناصر ہیں۔مرکزی کردار کا اپنے لوگوں کے ساتھ تعلق اور ان کے ردعمل کا مشاہدہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ تہذیب صرف رسمی آداب یا روایات میں نہیں بل کہ انسانوں کے رویوں، احترام اور ذاتی تعلقات میں بھی موجود ہوتی ہے۔یہ منظر ہمیں باور کراتا ہے کہ معاشرتی رشتے، دوسروں کے دکھ سکھ اور خوشیوں میں شریک ہونا اور باہمی تعاون تہذیب کی بنیاد ہیں۔بقول غافر شہزاد:

> "پتہ نہیں انسان کا اپنی حسیات پر سے اعتماد یکسر کیسے اٹھ جاتا ہے۔بہرکیف یہ بات مسلمہ ہے ایسا ہوتا ضرور ہے۔کئی بار میرے ساتھ بھی ہو

چکا ہے۔ اب اگر میں اس کے بارے میں لکھنے بیٹھوں گا تو بات کہیں اور نکل
جائے گی۔"(3)

افسانے میں کردار کی حساسیت اور ہمدردی کے پہلو بھی نمایاں ہیں۔ کردار کی یہ داخلی حساسیت ہمیں یہ سبق دیتی ہے۔ کہ تہذیبی شعور انسان کی ذہنی اور اخلاقی تربیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور انسانی تعلقات میں ایک مضبوط بنیاد قائم کرتا ہے۔ مصنف نے مرکزی کردار کی داخلی دنیا، نفسیاتی ردعمل اور معاشرتی ماحول کو ایک ساتھ پیش کیا ہے۔ کردار کی یہ داخلی حساسیت اور روزمرہ کے معمولات جیسے افسانہ پڑھنا یا اردگرد کے حالات کا مشاہدہ یہ دکھاتے ہیں کہ تہذیب انسانی شعور، اخلاق اور تعلقات میں چھپی ہوئی ہے۔ یہ افسانہ قاری کو سبق دیتا ہے کہ تہذیبی عناصر انسان کی داخلی دنیا، اخلاقی شعور اور معاشرتی تعلقات کے امتزاج میں ظاہر ہوتے ہیں۔

غافر شہزاد کے افسانوی مجموعے میں شامل افسانہ "خوابوں کی گرہ میں پڑی لڑکی" ایک نوجوان لڑکی کے خوابوں اور حقیقت کے تجربات کے گرد گھومتا ہے۔ اس افسانوی مجموعے کا نام بھی اس افسانے کی نسبت سے ہے۔ "خوابوں کی گرہ میں پڑی لڑکی" میں لڑکی کے خواب، اس کی روزمرہ زندگی، تعلیمی ماحول اور اس کے خیالات کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مصنف نے دکھایا ہے کہ خواب نہ صرف لڑکی کی شخصیت کا لازمی حصہ ہیں بل کہ اس کی داخلی کیفیت اور جذباتی شعور کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ اس افسانے میں تہذیبی عناصر انسانی رویوں، اخلاقی شعور اور معاشرتی تعلقات کے ذریعے واضح کیے گئے ہیں۔ لڑکی کے خواب اور اس کے ردعمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ تہذیب صرف ظاہری آداب کے علاوہ انسانی جذبات، رویوں اور دوسروں کے ساتھ تعلقات میں بھی موجود ہے۔ کردار کی حساسیت، دوسروں کے جذبات کا احترام اور داخلی شعور معاشرتی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں:

"تمھیں علم ہے کبوتر انتظار کی علامت ہوتا ہے۔ میرے پاس اور بھی کبوتر
تھے، میں انھیں اڑاتے ہوئے خواب کو مزید جاری رکھ سکتی تھی۔ آخر کب
تک؟ تم سے بھی تو ملنا تھا۔ اس لیے میں خود ہی کبوتر بن گئی اور تمھارے
کاندھوں پر آن بیٹھی۔"(4)

غافر شہزاد نے کردار کی داخلی دنیا اور سماجی تعلقات کے امتزاج کے ذریعے تہذیبی شعور کو اجاگر کیا ہے۔ لڑکی کے خواب، خیالات اور رویے انسانی شعور، اخلاق اور معاشرتی تعقات کے امتزاج کی نمائندگی کرتے ہیں۔ افسانے کے یہ مناظر قاری کو یہ باور کراتے ہیں کہ تہذیبی عناصر فرد کے داخلی شعور، جذبات، رویوں اور معاشرتی تعلقات میں مدد دیتے ہیں۔

افسانوی مجموعے "شہر ناتمام" میں شامل افسانہ "آرام گاہ" شہر کے ایک ہسپتال اور اس کے انتظامی ماحول کے گرد گھومتا ہے۔ جہاں ڈاکٹرز کی زندگی، ان کے فیصلے اور اخلاقی ذمہ داریوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ کہانی میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ڈاکٹر اپنے ہسپتال کے افتتاح، مریضوں کی سہولت اور قبرستان کی منصوبہ بندی کے کاموں کے دوران نہ صرف انتظامی بل کہ اخلاقی اور سماجی ذمہ داریوں کہ بھی سمجھتے اور عمل میں لاتے ہیں۔ قاری کو افسانے کے ذریعے انسانی شعور، ذمہ داری اور سماجی نظم وضبط کے پہلوؤں سے روشناس کرایا گیا ہے۔ اور یہ افسانہ انتظامی رویوں اور تہذیبی شعور کی پیچیدگیوں کو اجاگر کرتا ہے۔ ڈاکٹر حضرات کی اپنے ہسپتال اور قبرستان کے انتظام میں احتیاط، ذمہ داری اور نظم وضبط سے تہذیبی عناصر کی جھلک نظر آتی ہے۔ کردار کی داخلی بصیرت اور سماجی شعور قاری کو یہ سکھاتے ہیں کہ انسانی عمل میں تہذیبی عناصر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اور معاشرتی اعتماد کی تشکیل میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک اقتباس دیکھیے:

> "ڈاکٹر نیاز تو ہمیشہ سے ہی مستقبل بعید میں جھانکنے کا عادی تھا اور کوئی بھی کام کرنے سے پہلے آنے والے پچاس سالوں میں تیزی سے بدلتی ہوئی سماجی ،اخلاقی و عمرانی ضروریات کے بارے میں ضرور سوچتا۔ جب وہ میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا تو اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ندی سے ایک کلومیٹر پہلے ہی اپنی پینٹ کے پائنچے اوپر چڑھا لیتا تھا۔"(5)

ڈاکٹر نیاز ہسپتال میں مریضوں، اہل خانہ اور کارکنوں کے رویوں کا بغور مشاہدہ کرتا ہے اور ان کے مطابق انتظامی اور اخلاقی فیصلے کرتا ہے۔ یہ عناصر قاری کو سمجھاتے ہیں کہ تہذیب صرف رسمی اصولوں میں نہیں بل کہ روز مرہ زندگی، انسانی رویوں اور اخلاقی فیصلوں میں بھی موجود ہے اور یہ فرد کی اخلاقی اور سماجی تربیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس افسانے میں ڈاکٹروں کے اعمال، داخلی شعور، اخلاقی فیصلے اور سماجی رویے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ تہذیب فرد کے داخلی شعور، جذبات ،رویوں اور معاشرتی تعلقات میں شامل ہے۔

افسانوی مجموعے "کارساز" میں شامل ایک افسانہ "سمتوں کے اسیر" میں احمد جمال (اے جے پی) نامی ایک کیلی گرافک آرٹسٹ اور تجزیاتی صلاحیتوں کے حامل سرکاری ملازم کے گرد گھومتا ہے جسے بہاولپور کی تاریخی الصادق شاہی مسجد سے جڑے دو بالکل مختلف لیکن علامتی طور پر باہم مربوط معاملات کی تحقیقات کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ پہلا معاملہ مسجد کی زمین دوز منزل میں واقع دوکان نمبر 35 کا ہے۔ جہاں ایک یتیم نوجوان عبدالعزیز، اپنے بہنوئی عامر اور بڑی بہن کی طرف سے قائم کردہ جائیداد کے جعلی مقدمات اور دفتری سازشوں کے باعث جیل کاٹ رہا ہے۔ جب کہ دکان پر ایک سفید ریش بزرگ عظیم داد قابض ہو چکا ہے۔ دوسرا معاملہ نواب آف بہاولپور کے پوتے، پرنس عزیز عباسی کا ہے جو مسجد کے وسیع

سنگ مرمر کے حسن تعمیر اور جمالیات کو مقامی تاجروں (انجمن تاجران) کی طرف سے لگائے گئے لوہے کے بھاری سٹرکچر اور 54 پنکھوں کی "بصری آلودگی" سے پاک کروانا چاہتے ہیں۔ احمد جمال اپنی پیشہ وارانہ مہارت اور اسکیچز کے ذریعے جہاں پرنس کو مطمئن کرتا ہے وہاں دکان کے معاملے کی تہوں کو کھولتے ہوئے وہ اس سچائی تک پہنچ جاتا ہے کہ یتیم بچے کی حمایت میں بولنے والے تاجر دراصل کٹھ پتلی (روبوٹ) ہیں۔ جن کی ڈوریاں اسی تاجران کے صدر کے ہاتھ میں ہیں جس کا بہنوئی دکان پر قابض ہے۔ وہ بڑی ہوشیاری سے تاجران کے صدر کو مسجد کی جمالیات کی بحالی پر راضی کر کے اس دفتری و سماجی منافقت کے پورے جال کو بے نقاب کر دیتا ہے۔

غافر شہزاد نے "سمتوں کے اسیر" افسانے میں پاک وہند کی اس شاندار اور مربوط اسلامی و مغلیہ عمارتی تہذیب کی عکاسی کی ہے۔ جہاں فن تعمیر کو محض اینٹ پتھر کا ڈھانچہ نہیں بل کہ ایک لافانی جمالیاتی تجربہ سمجھا جاتا ہے۔ الصادق شاہی مسجد بہاولپور کا سفید سنگ مرمر سے تراشا گیا حسن تعمیر جہاں دیکھنے والوں کو تاج محل کی یاد دلاتا ہے۔ وہاں مسلم خطاطی اور کیوبزم جیسے جدید تعمیری رجحانات کے باہمی ملاپ سے ایک گہرا مابعد الطبیعاتی اثر پیدا کرتا ہے۔ مسلم فن تعمیر کی یہ روایت رہی ہے کہ عمارات کا ایک مخصوص جلال اور جمال ہوتا ہے۔ جس میں فضا کی وسعت، ایوان کا احاطہ اور میناروں کا مربع پلاٹ بصری توازن پیدا کرتے ہیں۔ اس تہذیبی جمالیات کو جب جدید مشینی دور کے لوہے کے بھاری سٹرکچرز اور پنکھوں کے ذریعے گہنا جاتا ہے۔ تو یہ دراصل اس روایتی پاکیزگی پر ایک مادی وار ہوتا ہے۔ جسے غافر شہزاد نے "بصری آلودگی" کا نام دیا ہے۔ مقتدر حلقوں کا اس آلودگی کے خلاف تڑپ اٹھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہماری تہذیب میں عمارات کا تقدس ان کی ظاہری افادیت سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "مقامی نمازیوں نے گرمیوں میں عصر، مغرب اور عشا کی نمازوں کے لیے الصادق شاہی مسجد کے صحن کے وسط میں سٹیل سٹرکچر کا برآمدہ اور اس کی مدد سے گرمیوں میں ہوا کے لیے کچھ پنکھے لٹکا رکھے ہیں جو بصارت پر گراں گزرتے ہیں اور مسجد کے ایوان کے مشرقی جانب کے منظر نامہ کو روکتے ہیں۔ ان کی موجودگی مسجد کی جمالیات کو آلودہ کرتی ہے، لہٰذا ان کا کچھ حل نکالنا چاہیے تاکہ بصری آلودگی ختم ہو سکے۔"(6)

غافر شہزاد کا مذکورہ افسانہ بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر کی مسلم ریاستوں مثلاً ریاست بہاولپور کے معاشی و تعلیمی ماڈل کی اس تہذیبی روایت کو پیش کرتا ہے۔ جو خود انحصاری پر مبنی تھی۔ الصادق شاہی مسجد کے معماروں نے اکیسویں صدی کے معاشی فلسفوں سے بہت پہلے ایک ایسا پائیدار معاشی نظام وضع کیا جہاں مسجد کی زمین دوز منزل پر سیکڑوں دکانیں اس لیے بنائی گئیں تاکہ ان کا کرایہ مسجد کے روزمرہ کے اخراجات، سالانہ مرمت اور اساتذہ

وخدام کی کفالت کر سکے اور اسے کسی حکومتی یا بیرونی امداد کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ یہ مغل اور عباسی دور کی اس جاگیر دارانہ و رفاہی تہذیب کا تسلسل ہے جہاں مذہب اور معیشت کو عوامی بہبود کے لیے ایک دوسرے کا مددگار بنایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ افسانہ "سمتوں کے اسیر" نو آبادیاتی دور کے اس شاہی اور برطانوی تہذیبی ملاپ کو بھی ظاہر کرتا ہے جہاں ریاست کے نوابوں کی نسلیں لندن میں پرورش پانے اور انگریزی لہجہ بولنے کے باوجود اپنی دھرتی، اپنی مساجد اور اپنی عوامی ساکھ کے تحفظ کو اپنی انا کا سب سے بڑا استحقاق سمجھتی ہیں۔ اس پس منظر میں ایک اقتباس دیکھیے:

> "مسجد کی زیریں منزل پر دکانیں اس لیے تعمیر کروائی گئی تھیں تاکہ آنے والے وقتوں میں ان سے حاصل ہونے والی آمدن مسجد کے روزمرہ کے اخراجات اور اس کی تعمیر و مرمت پر خرچ کی جاسکے۔ ایسی کوئی مثال کہیں نہیں ملے گی۔ پرنس کی یہ بات درست تھی، خود انحصاری اور معیشت کے جو فلسفے اکیسویں صدی میں پڑھائے جارہے ہیں، یہ مسجد اس کی شان اور عملی مثال تھی۔ اس کی مرمت و سالانہ کاموں و دیگر اخراجات کے لیے کسی حکومتی ادارے کی مالی معاونت کی ضرورت نہ تھی۔"(7)

یہ افسانہ موجودہ دور کے سماجی زوال، کاروباری منافقت اور نچلے طبقے کے اخلاقی انحطاط کی اس بدصورت تہذیب کا احاطہ بھی کرتا ہے۔ جو ہمارے روایتی معاشرے کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ ایک طرف وہ صوفیانہ اور نوابی اطوار تھیں جہاں یتیموں اور مسکینوں کا تحفظ معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری تھا جب کہ دوسری طرف جدید کاروباری اور تہذیب ہے جہاں "انجمن تاجران" جیسے عوامی ادارے اور خونی رشتے بہنوئی اور وکلا مل کر قانون کی تکنیکی خامیوں، جیسے انگوٹھے کے مبہم نشانات کا فائدہ اٹھا کر ایک یتیم بچے کو جیل بھجوا دیتے ہیں۔ اور اس کا حق مارنے کے لیے جھوٹے حلف نامے تیار کرتے ہیں۔ یہ سماج کے ان روبوٹ نما انسانوں کی تہذیب ہے۔ جن کے چہروں پر تو ہمدردی کا ماسک ہوتا ہے۔ لیکن ان کا باطنی کنٹرول لالچ اور پگڑی کی لاکھوں روپے کی رقم کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ احمد جمال کا ان دونوں تفادات جیسے مسجد کا ظاہری جلال اور دکانوں کا باطنی کرب کو یکجا دیکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ جب تک مادی لالچ کی اس اندرونی آلودگی کو ختم نہ کیا جائے تب تک عمارتوں کا ظاہری حسن معاشرے کو حقیقی عروج نہیں دے سکتا۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو غافر شہزاد کے افسانوں میں پاکستان خاص طور پر پنجاب کی تہذیب کی عکاسی نہایت عمدگی سے کی گئی ہے۔ انھوں نے اپنے گہرے مشاہداتی فن سے نہ صرف سماجی خدوخال کی عکاسی کی ہے بلکہ اس عہد کے تہذیبی پہلوؤں کو بھی اپنے افسانوں کے قالب میں ڈھالا ہے۔ غافر شہزاد کے افسانے تہذیب و ثقافت اور تاریخ کا ایک مؤثر ادبی اظہار ہیں۔ وہ ماضی کی تہذیبی اقدار کو نئے تناظر میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں تہذیب ایک زندہ حقیقت اور

فطری سماجی قوت کے تناظر میں سامنے آتی ہے۔ اپنے افسانوں میں وہ مقامی تہذیب و ثقافت کو بطور خاص اجاگر کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ عابد حسین، سید، قومی تہذیب کا مسئلہ، نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ص:13

2۔ مسعود اشعر، خوابوں کی گرہ میں پڑی لڑکی، (تنقیدی مضمون)، مشمولہ: خوابوں کی گرہ میں پڑی لڑکی، غافر شہزاد، لاہور: ادراک پبلی کیشنز، 1995ء، ص:11

3۔ غافر شہزاد، ڈاکٹر، تصویریں سانس لیتی ہیں، لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، ص:116

4۔ غافر شہزاد، ڈاکٹر، خوابوں کی گرہ میں پڑی لڑکی، ص:54

5۔ غافر شہزاد، ڈاکٹر، شہر ناتمام، لاہور: ادراک پبلی کیشنز، 2001ء، ص:30

6۔ غافر شہزاد، ڈاکٹر، کارساز، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ص:60

7۔ ایضاً، ص:64

References:

1. Abid Hussain, Syed, Qaumi Tehzeeb Ka Masla, Nayi Delhi: Taraqqi-e-Urdu Bureau, P. 13
2. Masood Ashar, Khwabon Ki Girah Mein Pari Larki, (Tanqeedi Mazmoon), Mashmoola: Khwabon Ki Girah Mein Pari Larki, Ghafir Shahzad, Lahore: Idraak Publications, 1995, P. 11
3. Ghafir Shahzad, Doctor, Tasveerein Sans Leti Hain, Lahore: Pakistan Books and Literary Sounds, P. 116
4. Ghafir Shahzad, Doctor, Khwabon Ki Girah Mein Pari Larki, P. 54
5. Ghafir Shahzad, Doctor, Shehar Na-Tamam, Lahore: Idraak Publications, 2001, P. 30
6. Ghafir Shahzad, Doctor, Karsaaz, Lahore: Sang-e-Meel Publications,P 60
7. Ibid., P. 64